ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.03 No.03 (2025)

نظم سور میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا منہج

A METHODOLOGY OF MOLANA UBAIDULLAH SINDHI IN THE COHERENCE OF QURANIC SURAHS

Hammad Ali
M.phil Scholar, Sheikh Zayed Islamic Centre, Punjab University Lahore.
Dr Haris Mubeen
Professor, Sheikh Zayed Islamic Centre, Punjab University Lahore.

Abstract

This research clarifies the methodology of Molana Ubaidullah Sindhi regarding the coherence of Surahs (Nazm al-Surah) which he adopted in his tafsir ''Al-Maqam Al-Mahmood''.Molana Sindhi believed in the interconnection (coherence) between verses and Surahs and considered it a highly significant subject.Molana Sindhi was greatly influenced by the methodology and teachings of Shah Waliullah, and he benefited immensely from them.However, while Shah Waliullah acknowledged the coherence between verses and Surahs, he did not place much emphasis on it.In contrast, Molana Sindhi gave considerable attention to the coherence of verses and Surahs, and in this regard, he benefited greatly from Sheikh-ul-Hind Molana Mahmood Hasan Deobandi.Thus, Molana Sindhi believed in the concept of coherence in the Qur'an, provided that the methodology of the predecessors regarding Nazm al-Qur'an is kept in view.

Key words: *Molana Ubaidulla Sindhi,Methodology,Coherence of Surahs,Shah Wali ullah,Molana Mahmood Hassan Deobandi.*

موضوع کا تعارف:

اس تحقیق میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے نظم سور کے منہج کو واضح کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنی تفسیر "المقام المحمود" میں اپنایا ہے۔ مولانا سندھیؒ آیات و سور کے درمیان ربط کے قائل تھے اور اسکو نہایت اہم موضوع سمجھتے تھے۔ مولانا سندھیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تفسیری منہج اور ان کی تعلیمات سے بہت زیادہ متاثر تھے اور ان کی تعلیمات سے آپ نے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ نظم آیات و سور کے درمیان ربط کے قائل تو ہیں لیکن زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ اس کے برعکس مولانا سندھیؒ نے نظم آیات و سور میں بہت زیادہ توجہ دی ہے اور اس حوالے سے آپ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ چنانچہ مولانا سندھیؒ قرآن میں نظم کے قائل تو تھے بشرطیکہ اسلاف کے نظم قرآن کے منہج کو سامنے رکھتے ہوئے۔

نظم قرآن، معنی و مفہوم

قرآنی کلمات، آیات اور سورتیں آپس میں مربوط و مسلک ہیں، آیات و سور کے باہمی ارتباط و تناسب کے لیے مختلف الفاظ مستعمل ہیں۔ ربط و مناسبت کے لیے استعمال ہونے والے ان الفاظ میں اہم اور نمائندہ اصطلاح لفظ " نظم " ہے۔ درج ذیل سطور میں نظم کے لغوی و اصطلاحی معانی بیان کیے جاتے ہیں۔

نظم کا لغوی معنی:

لغوی اعتبار سے نظم سے مراد کسی چیز کو باہم ملانا، ترتیب دینا، پرونا اور منسلک کرنا ہے۔ جب کہا جائے "نظم اللؤلوونحوہ "تو اس کا مطلب ہے اس نے موتی وغیرہ لڑی میں پروئے اور لفظ نظام موتیوں کی لڑی یا ترتیب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لفظ نظم کی لغوی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ؛

" النظم التاليف ,و ضم شئ الى شئ آخر ,و نَظَمَ اللؤلؤَ ينظمه نظام و نظَّمه: ألَّفَه وجمعه في سلك فانتظم و تَنَظَّم۔والنظام كل خيط ينظم به لؤلؤ ونحوه ".[1]

---

1 فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب: القاموس المحیط، دار الحدیث، قاہرہ، ص: ۱۶۲۴

"نظم کے معنی ہیں ملانااور کسی چیز کو دوسری چیز سے جوڑنا۔ "نظم اللؤلؤ ینظمه نظما و نظمه" کے معنی ہیں موتیوں کو اس طرح سے کسی دھاگے میں پرونا کہ مربوط ہو جائیں ایک دوسرے سے اور نظام اس لڑی کو کہتے ہیں کہ جس میں موتی اور اس طرح کی دیگر چیزیں پروئی جاتی ہیں"۔

خلیل بن احمد الفراہیدی نظم کے متعلق یوں لکھتے ہیں کہ؛

"النظم نظمُک خَرَزاً بعضه الی بعض في نظام واحد وهو في کل شئ حتی قیل لیس لامره نظام ..... والنظام العقد من الجواهر والخرز ونحوها وسلکه خیطة ".[2]

"نگینوں کو آپس میں حسن ترتیب سے پرونا نظم ہے اور نظم ہر چیز میں بولا جاتا ہے حتی کہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کیلیئے نہیں ہے اس کا نظام ....اور اور جواہرات اور نگینوں کے ہار کو بھی نظام کہتے ہیں".

ابن منظور افریقی نظم کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ؛

" النظم: اللتالیف ای نظمتُ اللؤلؤَ اي جمعته في السلك، والتنظیم مثله ،وکل شئ قرنتَه بآخر او ضممتَ بعضه الی بعض، فقد نظمته۔ والنظم المنظوم، وصف بالمصدر. النظام : ما نظمتَ فیه الشي من خیط و غیره، و نظام کل امر: ملاکُهُ والجمع:انظمة واناظیم و نظم والنظام: الخیط اللذی ینظم به اللؤلؤ وکل خیط ینظم به لؤلؤ او غیره فهو نظام و جمعه نظم، والنظام: الهدیة والسیرة ولیس لامرهم نظام ای لیس له هدی ولا متعلق ولا استقامة ".[3]

"نظم کے معنی پرونا کے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے"نظمت اللؤلؤ"یعنی میں نے موتی دھاگے میں پروئے" تنظیم"کا لفظ بھی اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ ہر وہ شے جس میں مختلف اجزاء یا حصوں کو آپس میں جوڑ دیا جائے، یا کسی چیز کو کسی دوسرے سے مربوط کر دیا جائے، اسے "نظم" کہا جاتا ہے۔ "نظم" دراصل منظوم (یعنی باقاعدہ ترتیب دی گئی) حالت کا نام ہے، اور لغوی اعتبار سے یہ مصدر کے طور پر آتا ہے۔اسی سے "نظام" کا مفہوم نکلتا ہے، جیسے کسی دھاگے میں موتیوں یا دیگر اشیاء کو پرو دیا جائے یہ عمل ہی نظام کہلاتا ہے۔کسی چیز یا معاملے کا "نظام" اس کی اصل ترتیب اور بنیادی ساخت کو کہتے ہیں۔اس کی جمع "أنظِمَه" یا "أناظیم" آتی ہے۔اسی طرح "نظم" اور "نظام" ان چیزوں کو بھی کہتے ہیں جن میں مختلف اجزاء کو باقاعدہ ترتیب سے جوڑا جائے، جیسے موتیوں کو ایک دھاگے میں پرو دیا جائے۔مزید برآں، "نظام" کا مطلب عادات، طرزِ عمل اور طریقِ کار بھی لیا جاتا ہے۔جب کہا جائے کہ "ان کے معاملے میں کوئی نظام نہیں ہے"، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کے کاموں میں نہ کوئی سلیقہ ہے، نہ ربط، اور نہ ہی درستی"۔

مذکورہ بالا نظم کے لغوی مفہوم میں علامہ مجدد دین فیروز آبادی اور ابن منظور افریقی کی تعریفات کا تجزیہ کرتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں درحقیقت "منظوم" ہی وہ مفہوم ہے جو مصدر کے طور پر بیان ہوا ہے۔جب موتیوں یا کسی اور شے کو کسی لڑی یا دھاگے میں پرو یا جائے، تو اسے نظام کہا جاتا ہے۔کسی بھی معاملے کا "نظام" اس کی بنیادی ترتیب اور اصل ساخت ہوتا ہے۔"نظام" کی جمع "أنظِمَه" اور "أناظیم" آتی ہے۔لغوی طور پر "نظام" اس دھاگے یا چیز کو کہتے ہیں جس میں مختلف اشیاء کو ترتیب کے ساتھ جوڑا گیا ہو، اور اصطلاحی طور پر اس کا مطلب کسی کام کو انجام دینے کا طریقۂ کار یا عادت بھی ہوتا ہے چنانچہ جب کہا جائے کہ "ان کے معاملے میں کوئی نظام نہیں ہے"، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ان کے کاموں میں نہ کوئی سلیقہ ہے، نہ ربط اور نہ ہی درستی۔

نظم کے مجازی معنی کے متعلق علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ؛

"النظم في اللغة نظمت الدرر و نظمته ومن المجاز نظم الکلام وهذا نظم حسن والنظم کلامه امره، ولیس لامره نظام اذالم تستقم طریقته وتقول هذه امور عظام لو کان لها نظام ".[4]

---

[2] فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، تحقیق عبدالحمید هنداوی، دارالکتب العلمیه، بیروت، ج۴، ص:۲۳۸

[3] ابن منظور، جمال الدین، محمد بن مکرم، لسان العرب، دارالمعارف، قاہرہ، ج۶، ص:۴۴۶۹

[4] زمخشری، محمود بن عمر، اساس البلاغه، دارصادر، بیروت، ص:۶۴۱

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

نظم کا لغوی معنی ہے اس نے موتی، پروئے موتیوں کے ہار میں اور مجازی طور پر اس کا مطلب ہے کہ اس نے کلام کو منظم کیا اور یہ عمدہ نظم ہے، اس کا کلام اور معاملہ منتظم ہے اور جب کسی کا کام منظم نہ ہو تو کہا جاتا ہے" لیس لأمره نظام "یعنی اس کے کام میں کوئی نظم نہیں اور جب کسی کام میں نظم ہو تو کہتے ہیں"هذه امور نظام"
جہاں تک علامہ زمخشری کا تعلق ہے آپ بھی نظم کے مجازی معنی بیان کرتے ہوئے باقاعدہ نظم کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لہذا ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ پہلے علماء نے باقاعدہ نظم کا لفظ موتیوں کی مالا کے لیے استعمال کیا ہے۔

نظم کا اصطلاحی معنی:

قرآن مجید میں نظم سے مراد وہ اسلوب ہے جس کی مثال نہ عربی شاعری میں ملتی ہے، نہ خطابت میں، نہ کہانت میں اور نہ کسی اور ایسے طرز کلام میں جس سے عرب پہلے سے مانوس رہے ہیں۔ قرآن مجید وہ کلام الٰہی ہے جو آغاز سے اختتام تک ایک مربوط و منظم کلام ہے قرآن مجید میں موجود اس ربط و تعلق اور نظم کو بیان کرنا، یہاں تک کہ قرآن کریم میں مکمل ہم آہنگی ظاہر ہو۔ اس کو اصطلاح میں علم المناسبات، علم ربط آیات یا علم نظم قرآن مجید کہا جاتا ہے۔
جب کلام میں الفاظ حسن ترتیب اور مناسب پیرائے میں منسلک ہوں ایک کڑی دوسری کڑی سے منسلک ہو اور کلام میں کسی طرح کا خلا محسوس نہ ہوتا ہو تو ایسے کلام کو کلام منظوم کہتے ہیں۔

علامہ جرجانیؒ نظم کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" تاليف الكلمات والجمل مرتبة المعانى متناسبة الدلات على حسب ما يقتضيه العقل وقيل: الفاظ المترتبة المسوقة المعتبرة دلالاتها على ما يقتضيه العقل"۔[5]

"مرتب معانی، متناسب دلالت والے کلموں اور جملوں کو عقلی تقاضوں کے مطابق جوڑنا یا ملانا۔ کہا گیا ہے کہ مرتب اور معتبر الفاظ جن کے معانی عقلی تقاضوں کے مطابق سمجھے جاتے ہیں ان کو جوڑنا"۔

علامہ البقاعیؒ کی کتاب "نظم الدرر" کی تمہیدات سے اخذ شدہ تعریف:

" هو علم يعرف منه علل ترتيب أجزاء القرآن "۔[6]

"وہ علم جس کے ذریعے قرآن کے اجزاء کی پوشیدہ حکمتوں کی معرفت حاصل ہوتی ہے"۔

ڈاکٹر محمد عمر بن بازمول علم المناسبات (علم نظم قرآن) کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"فإن علم المناسبات : هو معرفة مجموع الأصول الكلية والمسائل المتعلقة بعلل ترتيب أجزاء القرآن العظيم بعضها ببعض"۔[7]

نظم قرآن میں مولانا عبید اللہ سندھی کا نظریہ:

مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ؛"جہاں تک میری اپنی کاوش کا تعلق ہے، تو ابتدا ہی سے میری توجہ قرآن کی آیات اور سورتوں کے باہمی ربط و نظم پر مرکوز رہی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں بہت سے لطیف نکات میرے سامنے آتے گئے۔ ایک بار میں نے ان نکات کا ذکر مولانا شیخ الہند سے کیا، تو حضرت نے اس ضمن میں چند نادر فوائد سے مجھے آگاہ فرمایا۔ مثال کے طور پر، ایک مقام پر قرآن میں ایک غزوہ کے ذکر کے دوران سود (ربا) کی حرمت کا بیان آ جاتا ہے۔ مولانا نے اس مقام پر سود کے مضمون اور غزوے کی کیفیت کے درمیان ایسا نکتہ ربط بیان فرمایا، جو دیگر تفاسیر میں دکھائی نہیں دیتا۔ مولوی احمد علی صاحبؒ نے بھی اس نکتہ کو مجھ سے سن کر اپنے قرآن کے حاشیے میں درج کر لیا۔ شیخ الہندؒ کا ارشاد تھا کہ جن لوگوں نے ربطِ آیات پر گفتگو کی ہے، ان کی بحث اس قدر سطحی ہے کہ بہتر ہوتا وہ اس میدان میں قدم ہی نہ رکھتے۔ البتہ چونکہ یہ ایک نہایت اہم موضوع ہے اور اس پر گہری توجہ اور طویل وقت درکار ہے، اسی لیے حضرت خود اس پر تفصیل سے کام نہ کر سکے۔ میری ربطِ قرآن میں دلچسپی کی ابتدا اس وقت ہوئی جب میں جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" کا مطالعہ کر رہا تھا۔

---

[5] جرجانی، علی بن محمد بن علی، کتاب التعریفات، دار الدیان لتراث، قاہرہ، ص:۳۱۰

[6] البقاعی، ابراہیم بن عمر بن حسن، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، دار الکتاب الاسلامی، قاہرہ، ج۱، ص:۶

[7] بازمول، محمد بن عمر بن سالم، علم المناسبات فی السور والآیات، المکتبۃ المکیۃ، مکہ مکرمہ، ص:۲۷

وہاں قاضی ابو بکر ابن العربی کا قول نظر سے گزرا:

"ہم نے آیات کے ربط کے ضمن میں بڑے بڑے علوم کا خزانہ پایا، مگر جب دیکھا کہ لوگ ان کے طلبگار نہیں، تو ہم نے بھی اس سے رخ موڑ لیا۔"اس قول نے میرے دل میں ایک نئی جستجو پیدا کی۔ چنانچہ میں تقریباً چالیس برس سے آیات کے ربط پر غور و فکر کر رہا ہوں۔ میں نے شاہ ولی اللہؒ کی حکمت کو سامنے رکھ کر قرآن کے کچھ مرکزی مقاصد متعین کیے، اور ان کی روشنی میں ہر سورہ کے لیے ایک خاص موضوع اور اس کے اندر مضامین کی ترتیب متعین کی۔ اس طریقے سے مجھے سورتوں کے مابین تسلسل قائم کرنے میں کامیابی ملی"۔[8]

مولانا سندھیؒ مزید فرماتے ہیں کہ ؛"قرآنی تدبر میں مجھے شاہ ولی اللہؒ کے سوا کسی اور حکیم کی فکر سے رہنمائی لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے جو کچھ قرآن سے اخذ کیا اور جن معانی کو مستنبط کیا، ان کی تعیین اور تائید کے لیے شاہ صاحب کی حکمت میرے لیے کافی رہی۔ جہاں کہیں میری تفسیر کا زاویہ عام مفسرین سے مختلف ہے، وہاں میں نے شاہ ولی اللہؒ کے اصولوں کو اپنے لیے سند قرار دیا۔ بعض مواقع پر شاہ عبد العزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ، مولانا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسمؒ کے اقوال کو حجت بنایا ہے۔ اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنی رائے کی بنیاد پر مفسرین سے اختلاف کیا ہو۔ ایسے مقامات پر میں صاف لفظوں میں بتا دیتا ہوں کہ یہ میری ذاتی تحقیق ہے، جسے قبول کرنا یا نہ کرنا سننے والے کی صوابدید ہے۔ البتہ جب کہیں آئمہ اور اکابر علما کی سند سے آیات کے درمیان ربط و تناسب واضح ہو جائے، تو میری خواہش ہوتی ہے کہ اہل علم اس سے صرفِ نظر نہ کریں۔[9]

چنانچہ ذیل میں مولانا سندھیؒ کی تفسیر "المقام المحمود" کے نظم سور کے منہج کو بمع امثلہ واضح کیا گیا ہے؛

ا۔ سورت کا مربوط خلاصہ:

مولانا سندھیؒ سورہ انبیاء: ۲۱ کا مربوط خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ؛

آیت(۱۰۷) وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ آیت(۹۲) اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةًۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ اور آیت(۷۱) وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بَارَكْنَا فِيْهَا لِلْعَالَمِيْنَ اس سورت کا مفہوم مترشح ہوتا ہے۔

(۱)اس سورت میں ایک تو انٹر نیشنل مرکز کی زمین کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے۔

(۲)اور مقصد ہے اُس زمین کے گرد و نواح میں جس قدر انبیاء پیدا ہوئے ہیں ان کو ایک سلسلے میں مرتب کرنا۔

(۳)اس کے ساتھ اس بات کی بھی تشریح کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ جو اس سلسلے کے آخری نبی ہیں وہ اس سلسلے کے آخری درجہ کی تکمیل کے لئے آتے ہیں۔

(۴)نبوت کے سلسلے میں ہمیشہ یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ ہر پہلا نبی اپنے بعد کے آنے والے نبی کی پیشین گوئی چھوڑ جاتا ہے تو اس رسول کی بھی پہلی کتابوں میں پیشین گوئی موجود ہے۔ اس سورت میں اس پر بھی تنبیہ کرنا منظور ہے۔

(۵)اس قدر عظیم الشان مقصد ادا کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی جو قوم دست و بازو بن سکتی تھی ان کی حالت نہایت ابتر ہے، نہ ان کے نظریے اچھے اور بلند تھے نہ ہی ان کے اخلاق درست تھے۔ اس حالت میں اس بات سے گریز کیا جاتا ہے کہ ان سے وعدہ کر دیا جائے کہ یہی قوم اس عظیم الشان مقصد کو مکمل کرے گی۔ اگر اس حالت میں اس قوم کو یقین دلایا جائے کہ صرف تم ہی اس کام کو مکمل کرو گے تو ان میں غرور پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس واسطہ انہیں اس سورت میں یہ بتلا دیا گیا کہ ممکن ہے کہ یہ عظیم الشان کام پہلے تم ہی میں شروع کیا جائے اور بعد میں تم سے منتقل ہو کر یہ کام کسی دوسری قوم میں آجائے یعنی جب تک تم اس کام کو سنبھالو گے تو تمہارے پاس رہے گا اور جب تم نہ سنبھال سکو گے تو اس کا کی سرداری دوسری قوموں کو دی جائے گی تم صرف ایک کڑی کی طرح ہو۔[10]

مولانا سندھیؒ سورہ بقرہ: ۲ کے اختتام میں فرماتے ہیں کہ ؛

اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔[11]

---

[8] مولانا سندھی، عبید اللہ، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، طبع ۲۰۰۲ء، ص: ۸۶

[9] ایضاً، ص: ۸۶

[10] سندھی، عبید اللہ، مولانا، المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود، سندھ ساگر عبید اللہ فکری فورم، کراچی، طبع: ۲۰۲۵ء، ج ۲، ص: ۴۴۹

[11] البقرہ: ۲: ۲۸۶

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِين :جولوگ ری ایکشنری ہیں یعنی اعلی بین الا قوامی قانون کے خلاف چلنا چاہتے ہیں ان پر ہمیں فتح دے اور ان پر ہمیں کامیاب کر۔

اس سورت کا آخری حصہ بتلاتا ہے کہ قانون الہی کی پیروی کرنے والے بالآخر کامیاب رہیں گے اور اسی بات کو سورۃ کے آغاز میں بتلایا کہ اس قانون الہی یعنی قرآن کی پیروی کرنے والے ترقی کے درجہ پر پہنچیں گے۔[12] مولانا سندھیؒ سورہ نساء:۴ کے اختتام میں فرماتے ہیں کہ ؛

يَسْتَفْتُوْنَكَ۔ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ۔[13]

آیت(۱۷۶)يَسْتَفْتُوْنَكَ۔ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ:یعنی جسکا کوئی رشتہ دار نہ ہو جو اسکو اسکے حقوق دلا سکے یعنی نادار اور مسکینوں کو انکے حقوق انصاف سے پہنچاؤ یعنی غریب قوموں کو انکے حقوق انصاف سے دو۔اقتصادی تقسیم کا طریقہ بتلانے کے بعد کہا، بین اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں صاف صاف اور واضح کر کے بتلا دیا کہ اس راستہ پر چلو گے تو دھوکہ نہ کھاؤ گے اور نہ ہی کسی غلطی میں مبتلا ہو گے۔[14]

۲۔مضامین قرآن میں ربط:

مولانا سندھیؒ سورہ مائدہ:۵ کے آغاز میں سورتوں میں قرآن کے مضامین میں ربط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ؛

عربی اجتماع کے لیے حرام وحلال کی تمیز

اجتماع انسانی فطرت کا تقاضا ہے اس لئے سورۃ البقرہ میں قانون دیا گیا جو انسان کی رہنمائی کر سکے۔سورۃ النساء میں مرد اور عورت کے تعلقات کے پیرائے میں اجتماعی تعلقات کا طریقہ بتلایا۔اس سورت میں خورد و نوش کی اشیاء بتلائی گئیں۔سورۃ النساء میں جو قانون دیا گیا اس پر عمل کرنے کے لئے اس سورت میں حلال و حرام کی تمیز بتلائی جا رہی ہے مگر یہ اجتماع عربی ذہنیت کا مظاہرہ

ہے۔انسانی سوسائٹی کی ترقی کے لئے جو قوانین وضع کئے گئے (یعنی جو لمبی سورتیں نازل ہوئیں)ان سات بڑی سورتوں میں یہ آخری سورت ہے۔

الغرض سورۃ النساء میں ابتدائی ترقی اور سورۃ المائدہ میں انسانی انتہائی ترقی یعنی اس کی تکمیل کی صورت بتلائی ہے۔جیسا کہ سوشل زندگی میں ہوتا ہے جو خانداری سے شروع ہوتی ہے۔مرد ہے اس کی بیوی بچے ہیں اور ان سے ترقی کر کے سوسائٹی میں آتا ہے۔یعنی کھانے کی میز(دستر خوان)پر۔اس سورت میں خورد و نوش کے آداب کے پیرایہ میں انسانی ترقی کی تعمیل جتلائی جاری رہی ہے۔

کسی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ سورتوں کی ترتیب میں ایک مضمون کی تمام آیات ایک جگہ جمع کرتے اور پھر اس مجموعہ کا نام سورت یا باب رکھتے، موجودہ سورت کی پہلی آیت کہ تم اپنی عہد کو پورا کرو۔اور اس سورت کے اختتام مین آتا ہے کہ زمین و آسمان مین حکومت صرف اور صرف اللہ ہی کی ہے۔آسمان میں فرشتے مقرر کئے گئے ہیں جو تمام قانون الہی کو دنیا میں رائج کر رہے ہیں۔اسی طرح تم بھی اگر اپنے عہد و پیمان کو مضبوطی سے قائم کرو گے(مگر عہد و پیمان کرتے وقت دوست و دشمن کی تمیز کرنی چاہئے)تو تم بھی بتدریج ترقی کر کے فرشتوں کی مانند ہو جاؤ گے۔اور پھر زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت تمہارے سپرد کی جائے گی اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب فرمایا جائے گا۔انسانی ترقی کے لئے پہلے بھی قانون وضع کئے گئے مگر وہ محفوظ نہ رہے۔اور انہوں نے ان کو تبدیل کر دیا مگر اس موجودہ قانون میں انسانی ترقی کی تکمیل کے فوائد محفوظ ہیں اس لئے اس قانون میں بلندی اور حفاظت ہے۔[15]

اسی طرح مولانا سندھیؒ سورہ یوسف:۱۲ کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ ؛

حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم کو حضرت اسحٰقؑ اور حضرت موسیٰؑ نے رائج کیا اور ان کے درمیان حضرت یوسفؑ ایک قسم کی کڑی تھے۔حضرت یوسفؑ کی تعلیم کو انسانی فطرت جلد اخذ کر لیتی ہے اور متوسط درجہ کی فطرت اسے سمجھ کر اطمینان حاصل کر سکتی ہے۔قریش کی حالت بھی متوسط درجے کی فطرت والے لوگوں سے تھی اس لیے ان کو بھی اس درجہ پر نبوت کا مسئلہ سمجھایا جاتا ہے۔

---

[12] المقام المحمود،ج۱،ص:۱۴۷

[13] النساء:۴:۱۷۶

[14] المقام المحمود،ج۱،ص:۳۱۷

[15] المقام المحمود،ج۱،ص:۳۱۹

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

علت اور معلول کے سلسلے کو پچھلی سورتوں میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے اور بتلایا کہ نبوت کیا چیز ہے۔رات کی تاریکی ہوتی ہے اور پھر سورج نکل کر اپنی شعائیں چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا۔کی حالت میں ایک عظیم انقلاب

برپا ہوتا ہے اور رات کی تاریکی کے بجائے دن کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔اس طرح کے نبوت بھی انسانی حیات میں ایک قسم کا انقلاب عظیم برپا کر دیتی ہے۔جس طرح پہلا انقلاب علت اور معلول کے سلسلے سے وابستہ ہے اسی طرح نبوت کی بھی یہی حالت ہے۔پہلے نظریات سمجھائے پھر اس کا مجسمہ دکھادیا۔یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے اور یہ صرف خاص لوگوں کے لئے ہے۔ان کے پاس چونکہ پہلے سے نظریات موجود ہوتے ہیں اس واسطے وہ جلدی سمجھ جاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مجسمہ دکھلایا اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک ایک چیز علیحدہ علیحدہ طور پر سمجھادی۔متوسط درجہ کے لوگوں کو سمجھانے کا یہی طریقہ ہے اور یہی طریقہ قریش کو سمجھانے کے لئے اختیار کیا گیا۔[16]

۳۔تتمہ و تکملہ کے تحت سورتوں میں ربط و نظم:

مولانا سندھیؒ سورہ ابراہیم:۱۴ کے آغاز میں تتمہ و تکملہ کے تحت سورتوں میں ربط یوں بیان کرتے ہیں کہ ؛

سورۃ ابراہیم در حقیقت سورہ رعد کا تتمہ ہے۔سورۃ رعد میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے بھائیوں یعنی قریش کی اس طرح بحث کی گئی ہے جس طرح یوسف اور ان کے بھائیوں کی بحث تھی۔اب ایک حصہ بنی اسرائیل اور دوسرا حصہ بنی اسماعیل ہے اور ان دونوں کے اوپر حضرت ابراہیمؑ ہیں جنہوں نے قریش کیلئے بھی اپنے علم کے ایک حصہ کا ورثہ چھوڑا ہے اس سے قریش کے عام بنیادوں کا پتہ چلتا ہے۔اس کے بعد بخوبی تمیز کی جاسکتی ہے کہ قریش میں سے صحیح راستے پر کون ہے؟سورت ابراہیم کی پہلی آیت کے آخری حصے میں فرمایا گیا" بِاِذْنِ رَبِّہِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ"کہ روشن راستہ یہ ہے جو اللہ کا راستہ ہے اور اس راستے کی طرف تو اللہ کی اجازت سے لوگوں کو لاؤ۔ سورت رعد میں بتلایا گیا تھا کہ قریش پہلے حجاز میں (قومی) کام کریں اور اب انہیں بین الاقوامی کام کا حکم سورت ابراہیم میں دیا جارہا ہے۔[17]

اسی طرح مولانا سندھیؒ سورہ حجر:۱۵ کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ ؛

یہ سورت حجر در حقیقت سورت ابراہیم کا تتمہ ہے اور سورۃ النحل میں ایک قسم کا بین الاقوامی قانون دیا جائے گا اس سورت کی آیت نمبر نو میں آتا ہے کہ ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قدرت کا جو طے شدہ نظام ہے اس کے سمجھانے کے لیے یہ تعلیم دی جاتی ہے جیسے انسانی نوع کا ایک طبعی ارتقائی درجہ باقی تھا وہ محقق ہو رہا ہے۔

اس سورت میں حضرت آدمؑ کا قصہ ہے اور حضرت آدمؑ کا ذکر وہیں آتا ہے جہاں نوع انسانی کا ذکر مخصوص ہو۔اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہے کہ انہیں ضعیف العمری میں لڑکا عطا کیا گیا اور وہ اس پر تعجب کرتے ہیں مگر انہیں بتلایا جاتا ہے کہ یہ لڑکا ایک ضروری کام سرانجام دینے کے لیے تجھے دیا گیا ہے۔اسی طرح آیت نمبر ستاسی میں آتا ہے کہ ہم نے تجھے سات بڑی سورتیں دیں ان سات بڑی سورتوں میں مختلف قوموں کے لیے ان کی ذہنیت کے مطابق اس عمومی پروگرام کی خاص شکل ہے۔اس سورت کی آخری آیت میں بتلایا کہ تو اپنی زندگی کے آخری دم تک اس کام کو پورا کرتا رہ۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو ہی اس کا ذمہ دار ہے بلکہ تیرا فرض یہ ہے کہ تو اپنی زندگی اس کام میں صرف کر دے۔

پچھلی سورت میں یہ بتایا گیا تھا کہ خاندان قریش کا یہ مخصوص کام ہے۔اس سورت میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قدرت الٰہی کے عمومی نظام کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ ایک خاندان اس کام کو کرتا ہے مگر اس لیے نہیں کہ اس خاندان کا اس میں کوئی فائدہ یا منافعہ مقصود ہے۔بلکہ یہ عام ضرورت تھی اور وہ اس خاندان کے ذریعہ پوری کرائی گئی۔[18]

۴۔فواتح و خواتم میں ربط و مناسبت:

مولانا سندھیؒ سورتوں کے فواتح اور خواتم میں بھی ربط بیان کرتے ہیں مثلاً سورہ مائدہ:۵ کے اختتام میں فرماتے ہیں کہ ؛

لللہِ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرض اور سورۃ البقرہ کے آخر میں ہے لِلّٰہِ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ: تو صحابہ پر شاق گذرا تو وہ پھر آپ کے پاس آئے۔

---

[16] ایضا،ج۲،ص:۴۲

[17] ایضا،ج۲،ص:۱۴۶

[18] ایضا،ج۲،ص:۱۶۰

اور آپ نے فرمایا کہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ،یعنی بین الاقوامی حکومت میں اگر قوموں سے ظاہر یا خفیہ بدنیتی بھی کی جائے تو اللہ اس کا حساب لے گا تو صحابہ نے کہا کہ ہم نے مان لیا کوئی غلطی ظاہری یا باطنی نہ کریں گے تو یہ میثاق ہوا اور اس میثاق کو اس سورہ مائدہ میں دہرایا گیا کہ دیکھو وہ میثاق یاد رکھو جب تم نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا: کہا اور یہی لفظ آیت اٰمَنَ الرَّسُوْلُ :میں آچکا ہے۔اور اس عہد کی

ایفاء کے لئے کہا گیا کہ یَآ اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوٓا اَوْفُوْا:اب اس سورت کو اس آیت پر ختم کیا گیا جس پر عہد لیا گیا وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیٓ اَنْفُسِكُمْ:اور وہاں یہ آیت لِلّٰہِ مَا فِی السَّمَاوَاتِ:سے شروع ہوئی اور سورت مائدہ کی اخیر میں اس کو دُہرایا گیا۔[19]

اسی طرح مولانا سندھیؒ سورہ فرقان:۲۵:۷۷ کے اختتام میں فرماتے ہیں کہ ؛

"قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا"۔[20]

آیت(۷۷)قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ: یہ سورۃ مکی ہے اور اس آیت میں قریش مکہ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ میرا پروردگار تمہاری کیا پرواہ کرتا ہے اگر تمہاری دعا نہ ہوتی یعنی اگر تم رحمن سے دعا کے قائل نہ ہوتے تو تمہاری کچھ بھی پرواہ نہ کی جاتی۔قریش مکہ ، میدان میں کھڑے ہو کر کہتے تھے یا اللہ اگر یہ نبی سچا ہے تو ہم پر پتھر برسا۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اگرچہ نبی ﷺ کو جھٹلاتے تھے مگر اللہ پر انہیں پورا یقین تھا۔اس واسطے اللہ تعالی سے دعا مانگتے تھے،اس سے معلوم ہوا کہ وہ سمجھ کا ایک درجہ رکھتے تھے اور اس سے آگے سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتے تھے اس واسطے سمجھنے کیلئے انہیں اور موقعے دیے جائیں گے۔جب تک انہیں بیداری کا سامان نہ دیا جائے اس وقت تک ان سے عذاب ٹل جائے گا یعنی مؤخر ہو جائے گا۔ بعض ایسے آدمی جو سمجھ رکھتے ہیں اور حکمت کی طرز پر بات کو سوچتے ہیں مگر وہ انبیاء کے طریقہ کو نہیں سمجھ سکتے اس واسطے وہ دعا کے کبھی قائل نہیں ہوئے کہ اگر اللہ سے دعا مانگی جائے تو اس کا فائدہ ہوتا ہے۔غرض انہیں یہ بات کبھی سمجھ میں نہیں آتی۔ سر سید نے لکھا ہے کہ علت و معلول کے طریقہ میں جس قدر کام کیا جائے اسکا اثر اس قدر ہوتا ہے دعا کا بھی یہی حساب ہے یعنی اس کام کرنے کیلئے جس قدر مواد فراہم کیا جائے،اتنا ہی اس کام میں اثر ہو گا اس سے زیادہ نہیں۔حکیم آدمی واقعی اسی طرح سے سوچ سکتا ہے۔ان لوگوں کو چونکہ تجلی الہی سے تعلق نہیں ہوتا اس واسطے وہ ہر ایک چیز کو صرف حکمت کے طور پر لیتے ہیں۔اب اگر کوئی قوم ہے جو دعا کی فلاسفی کو مانتی ہے،اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اصولاً انبیاء کے طریقہ کو مانتے ہیں اور اس حکمت عالیہ سے فی الجملہ آشنائی رکھتے ہیں۔[21]

۵۔خاتمہ سورت کا مضامین سورت سے ربط:

مولانا سندھیؒ سورہ ہود:۱۱:۱۲۰ کے اختتام میں فرماتے ہیں کہ ؛

"وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ"۔[22]

ماضی کی امتوں کے قصے بیان کرنے کی حکمت

آیت(۱۲۰)وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ: تجھے ہر قسم کی باتیں جس کا پہلے قوموں میں تجربہ ہو چکا ہے بیان کرتے ہیں تاکہ تیری قوت فیصلہ قوی رہے۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دوسرے انبیاء کے جو واقعات چھوڑ دیئے گئے ہیں ان کا آنحضرت ﷺ کی زندگی سے کچھ تعلق نہ تھا۔قرآن مجید میں فقط وہی واقعات بیان کئے گئے ہیں جن کے حالات سے آنحضرت ﷺ کو مدد مل سکتی ہے۔

جو انبیاء چین اور ہندو غیرہ ممالک میں گزرے ہیں ان کے حالات قرآن مجید میں اس واسطے بیان نہیں کئے گئے کیونکہ آنحضرت ﷺ ان کے واقعات سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ: ان نبیوں کے حالات بیان کرنے سے تیرے پاس حق ٹھیر دیا جائے گا۔یعنی وہ ان واقعات کو سنیں گے تو ان کو بات کے مجھے میں آسانی ہو جائے گی۔اعمیا اور اصم راستوں میں گر کر فنا ہو گئے۔اور بصیر اور سمیع یعنی ایک خود سوچنے والا عقلمند دوسرے عقلمندوں کی بات سن کر عمل کرنے والا کامیاب ہو گیا۔وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ: ان کی دوسری جماعت ہے اس کے لئے نصیحت اور ذکر ہے۔[23]

---

[19] المقام المحمود،ج۱،ص:۳۸۸

[20] الفرقان:۲۵:۷۷

[21] المقام المحمود،ج۲،ص:۶۲۲

[22] ہود:۱۱:۱۲۰

[23] المقام المحمود،ج۲،ص:۳۶

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

اسی طرح مولانا سندھیؒ سوریوسف:۱۲کے اختتام میں فرماتے ہیں کہ؛

وَتَفۡصِيلَ كُلِّ شَيۡءٍ: اور آئندہ کے لئے جو پیش آنے والے واقعات ہیں اس قصے میں ان کی پوری تفصیل ہے۔آنحضرت ﷺ کے متعلق اب تک جو کچھ بتلایا جاتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کامیاب ہوں گے مگر اب تفصیلی طور پر یہ بتلایا جارہا ہے کہ آپ کو اپنا وطن (مکہ چھوڑنا پڑے گا اور بھائیوں اور عزیز واقارب سے الگ ہوں گے اور اخیر میں فتح پائیں گے۔ غرض اس میں آنحضرت ﷺ کی زندگی کا پروگرام نہایت تفصیل سے دیا گیا ہے۔وَّهُدًى : اور یہ قصہ رہنمائی ہے۔جب تک امام یار ہنما ذاتی طور پر امین نہیں ہوگا اور اس کی امانت پر قوم کو یقین نہیں ہوگا تو کامیابی نہیں ہوگی۔یہ رہنمائی ہے۔ وَّرَحۡمَةً: اور بڑی رحمت یعنی مہربانی ہے۔[24]

قریش حضرت ابراہیم کے سلسلۂ نبوت کو مانتے تھے اوراب انہی کو مخاطب کیا جارہا ہے کیونکہ قریش ابراہیم کی نسل سے ہیں اگر قریش کو ان کے بزرگوں کے واقعات بتلائے جائیں تو ان پر جلدی اثر آتا ہے اور اگر انہیں دوسرے انبیاء مثلاً ہند اور ایران وغیرہ کے انبیاء کے حالات بتلائے جائیں تو وہ ان کے واسطے اس قدر مؤثر نہیں ہونگے۔قرآن سے پہلے زبردست کتاب فقط توریت ہے اور قرآن میں جابجا توریت کی تصدیق ملتی ہے اوراس میں (قرآن) آئندہ کے واقعات کے تکمیل کی ذمہ داری ہے۔قرآن میں یقین دلایا گیا ہے کہ اگر مایوسی کی حالت پیدا ہو جائے تو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔یہ پروگرام (قرآن) جو دیا جارہا ہے یہ پورے یقین کا ذمہ دار ہے۔[25]

۶۔خاتمہ سورت کا مابعد سورت کے مضامین میں ربط:

مولانا سندھیؒ سورتوں کے درمیان ربط خاتمہ سورت کا مابعد سورت کے مضامین سے بھی قائم کرتے ہیں مثلاً سورہ حجر:۱۵:۹۹کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ؛

"وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ"۔[26]

آیت (۹۹) حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ: "موت" اور موت تک تو اپنے رب کا غلام بنے رہو۔اگر تیرے رب پر کوئی آدمی حرف لاتا ہے تو اس مالک کا غلام کھڑا ہو کر اس کا مقابلہ کرتا ہے اوراس وقت غلام کو اپنی ذات کی پرواہ نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام سمجھتا ہے کہ اس کی نگرانی کے لیے اس کا مالک ہے اور وہ مالک خود ہی اپنے غلام کی نگرانی کرے گا۔

غرض اس جگہ آپ ﷺ کی خصوصیت سے اعراض کیا جاتا ہے اوراس کا اسی جگہ کچھ تعلق نہیں ہے۔آنحضرت ﷺ ایک عمومی کام کرنے والے ہیں اوراسی حیثیت سے انہیں مانا جاتا ہے۔حضرت یوسفؑ کی مثال سے آنحضرت ﷺ کے بہت سے واقعات سمجھ میں آتے ہیں۔ان خصوصیات کو دوسرے درجہ پر لانا اور اسلامی تعلیم کو اول درجہ پر لانا یہ اس سورت کا خلاصہ ہے۔حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے لیکر تمام چیزیں دوسرے درجہ پر آگئیں۔اس سورت میں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ آنحضرت ﷺ کا قومی پروگرام اس سورت پر ختم ہوگیا۔آگے چل کر اس قومی پروگرام سے بین الاقوامی پروگرام پھوٹ نکلے گا۔سورت النحل اس کی بین الاقوامی سورت ہے۔[27]

اسی طرح مولانا سندھیؒ سورہ مریم:۱۶کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ؛

بین القوامیت اور وحدت ادیان

سورت کہف میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اسلام دونوں قسم کی نبوت کے آئمہ کو جمع کر کے ایک انٹرنیشنلزم پیدا کرنا چاہتا ہے۔اگر ایک قسم کی نبوت کے لوگوں کو جمع کرتا تو دوسرے قسم کی نبوت کے لوگوں پر ایک قسم کی زیادتی ہوتی۔جیسے ایک قوم دوسری قوم پر حاکم ہو جائے تو محکوم قوم پر زیادتی ہونا ضروری ہے۔

اسلام اس دعوی کے خلاف تعلیم دیتا ہے۔پہلی سورت فاتحہ میں کہا گیا ہے رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ: یعنی قوموں کے رب کی تعریف۔اس طرح توریت میں رب الاقوام ہے یعنی قوموں کا رب۔یعنی قوموں کے رب کی تعریف جس نے یہ ہی تعلیم نازل کی۔

سورت کہف میں واضح کر دیا گیا ہے جس قدر بھی دوسرے طریقے کے امام ہیں وہ سب ہمارے امام ہیں اور پھر دوسرے طریقہ کے آئمہ کے ساتھ کام کرنے کا سلسلہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے سے شروع کر دیا گیا کہ وہ خضرؑ کو جو دوسرے طریقے کا امام ہے ساتھ لیکر کام کرتے ہیں۔

---

[24] ایضا،ج۲،ص:۱۱۴

[25] المقام المحمود،ج۲،ص:۱۱۴

[26] الحجر:۱۵:۹۹

[27] المقام المحمود،ج۲،ص:۱۹۵

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

غرض اس کی ابتدا حضرت موسیٰؑ نے کی انہوں نے دوسرے نوع کے طریقے کو ساتھ ملانے کی بنیاد رکھی۔ حضرت عیسیٰؑ نے اسے آگے بڑھا کر اپنی تعلیم میں داخل کر لیا۔ عیسیٰؑ کی نبوت کا زیادہ حصہ خضرؑ کی تعلیم سے ملتا ہے۔ اور ان کا پہاڑی وعظ جو انجیل کی روح ہے اس مقصد کو پورا کرتا ہے۔ انہوں نے توریت کی شرح کرنے میں پوری عقلمندی سے اسی اصول سے مدد لی ہے۔ غرض جس تعلیم کی ابتداء موسیٰؑ نے شروع کی اس کو حضرت عیسیٰؑ نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ وہی تعلیم آنحضرت ﷺ کے وقت عملی چیز بن گئی۔ دونوں قسم کی نبوتیں اس تعلیم میں مساوی درجہ پر بیٹھتی ہیں۔[28]

۷۔ دو مختلف سورتوں کی آیات میں ربط:

مولانا سندھیؒ سورہ مائدہ: ۵ کے اختتام میں فرماتے ہیں کہ ؛

لللهِ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرض اور سورۃ البقرہ کے آخر میں ہے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ: تو صحابہ پر شاق گذرا تو وہ پھر آپ کے پاس آئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ، یعنی بین الاقوامی حکومت میں اگر قوموں سے ظاہر یا خفیہ بدنیتی بھی کی جائے تو اللہ اس کا حساب لے گا تو صحابہ نے کہا کہ ہم نے مان لیا کوئی غلطی ظاہری یا باطنی نہ کریں گے تو یہ میثاق ہوا اور اس میثاق کو اس سورہ مائدہ میں دہرایا گیا کہ دیکھو وہ میثاق یاد رکھو جب تم نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا: کہا اور یہی لفظ آیت اٰمَنَ الرَّسُوْلُ: میں آچکا ہے۔ اور اس عہد کی ایفاء کے لئے کہا گیا کہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا: اب اس سورت کو اس آیت پر ختم کیا گیا جس پر عہد لیا گیا وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ: اور وہاں یہ آیت لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ: سے شروع ہوئی اور سورت مائدہ کی اخیر میں اس کو دُہرایا گیا۔[29]

اسی طرح سورہ حجر: ۱۵ کے آغاز میں فرماتے ہیں:

یہ سورت حجر درحقیقت سورت ابراہیم کا تتمہ ہے اور سورۃ النحل میں ایک قسم کا بین الاقوامی قانون دیا جائے گا اس سورت کی آیت نمبر نو میں آتا ہے کہ ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قدرت کا جو طے شدہ نظام ہے اس کے سمجھانے کے لیے یہ تعلیم دی جاتی ہے جیسے انسانی نوع کا ایک طبعی ارتقائی درجہ باقی تھا وہ محقق ہو رہا ہے

اس سورت میں حضرت آدمؑ کا قصہ ہے اور حضرت آدمؑ کا ذکر وہیں آتا ہے جہاں نوع انسانی کا ذکر مخصوص ہو۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہے کہ انہیں ضعیف العمری میں لڑکا عطا کیا گیا اور وہ اس پر تعجب کرتے ہیں مگر انہیں بتلایا جاتا ہے کہ یہ لڑکا ایک ضروری کام سرانجام دینے کے لیے تجھے دیا گیا ہے۔ اسی طرح آیت نمبر ستاسی میں آتا ہے کہ ہم نے تجھے سات بڑی سورتیں دیں ان سات بڑی سورتوں میں مختلف قوموں کے لیے ان کی ذہنیت کے مطابق اس عمومی پروگرام کی خاص شکل ہے۔ اس سورت کی آخری آیت میں بتلایا کہ تو اپنی زندگی کے آخری دم تک اس کام کو پورا کرتا رہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو ہی اس کا ذمہ دار ہے بلکہ تیرا فرض یہ ہے کہ تو اپنی زندگی اس کام میں صرف کر دے۔

پچھلی سورت میں یہ بتایا گیا تھا کہ خاندان قریش کا یہ مخصوص کام ہے۔ اس سورت میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قدرت الٰہی کے عمومی نظام کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ ایک خاندان اس کام کو کرتا ہے مگر اس لیے نہیں کہ اس خاندان کا اس میں کوئی فائدہ یا منافعہ مقصود ہے۔ بلکہ یہ عام ضرورت تھی اور وہ اس خاندان کے ذریعہ پوری کرائی گئی۔[30]

اسی طرح سورہ مؤمنون: ۲۳ کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ ؛

سورہ حج کی آیت ۱۷ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئِیْنَ (اللہ مسلمانوں، یہود، صابی، نصاری، مجوسی اور مشرکین میں فرق کریگا)۔

قرآن پر عمل کرنے والے لوگوں کے دماغ میں نظریات صحیح طور پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور وہ ان نظریات کے مطابق کام کر کے پختہ ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں کو مومن کہا جاتا ہے۔

---

[28] ایضا، ج۲، ص: ۳۵۴

[29] ایضا، ج۱، ص: ۳۸۸

[30] المقام المحمود ج۲، ص: ۱۶۰

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.03 (2025)

اس کے بعد جب پرو گرام پر عمل کیا جاتا ہے اسے اسلام کہا جاتا ہے۔انسانی دل و دماغ میں یہ قوت ہے کہ جب ایک خیال دل میں جم جاتا ہے توانسان ضرور بالضرور اس پر کام کرتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ انسان اس پر کام نہ کرے۔اس آخری درجہ پر جو پہنچی ہوئی قوت ہے کہ جس پر کام کرنا ضروری ہے اس کا نام "ایمان" ہے۔غرض دل و دماغ کے اثرات کا نام اسلامی زبان میں ایمان ہے۔[31]

۸۔سورتوں کے فواتح میں ربط:

مولانا سندھیؒ سورہ یونس:۱۰ کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ ؛

سورۃ یونس اور اس کی پانچ سورتوں میں سے پانچ سورتیں یعنی یونس، ہود، یوسف، ابراہیم اور الحجر، الرٰ سے شروع ہوتی ہیں اور چھٹی سورۃ الرعد المّرٰ سے شروع ہوتی ہے یہ سب سورتیں مکی ہیں۔سورۃ الحجر کی آیت (۸۷) میں آتا ہے

کہ ہم نے آپ ﷺ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں دیں اور قرآن کریم دیا۔قرآن عظیم سے مراد سورۃ فاتحہ ہے اور سات مکرر پڑھی جانے والی آیات سے سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء، مائدہ۔اعراف، انفال مراد ہیں۔سورۃ توبہ علیحدہ چیز نہیں (یہ علیحدہ سورت نہیں مانی جاتی بلکہ اسے سورۃ انفال کا تتمہ قرار دیا گیا ہے۔)مثانی کے معنی مکرر آنے والی۔اس سے مثنی نکلتا ہے یعنی دو دفعہ یعنی جو چیز مکرر ہو۔

یہ مضمون جواب ان سات سورتوں میں واضح طور پر بیان کیا ہوا ہے اس کو سرسری طور پر پہلی دو سورتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے اور اسے اب یہاں مکرر بیان کیا جاتا ہے۔یعنی ہر ایک مضمون کو مفصل طور پر الگ الگ سورتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے۔جن سورتوں میں سو(۱۰۰) سے زیادہ آیات ہوں ان کو مائین (سو والی۔مئۃ) کہتے ہیں، سورہ یونس ان میں سے ایک ہے۔

دنیا میں انبیاء کے مبعوث ہونے کا ایک سلسلہ ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل میں اسحاق، یعقوب، یوسف، موسی، عیسی علیہم الصلوۃ والسلام مسلسل آئے ہیں۔[32]

۹۔سورتوں کے مجموعوں میں ربط:

مولانا سندھیؒ سورتوں کے مجموعوں کا بھی ربط بیان کرتے ہیں۔چنانچہ سورہ الشعراء:۲۶ کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ ؛

سورۃ الشعراء سے لیکر سورۃ المؤمن تک چودہ سورتیں ہیں ان کا مضمون بین الاقوامی پروگرام ہے۔نظریات پر بحث پہلی سورتوں میں ختم ہو چکی ہے، جیسے ان چیزوں کی بحث جو نفس کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں مثلاً عقائد و اخلاق وغیرہ۔اب ان سورتوں میں بین الاقوامی پروگرام کا عملی حصہ بتلایا جاتا ہے۔لہذا اس میں دو چیزیں ساتھ ساتھ رہتی ہیں جیسے کسی کام کی تخریب کرنی (جیسے انقلاب میں ہوتا ہے) اور کسی اچھے کام کے ساتھ ساتھ تعمیر کرنی۔

عملی حصہ کو پروگرام کہا جاتا ہے۔انبیاء کی تعلیم میں خالی تخریب یعنی کام بگاڑنے کا کہیں ذکر نہیں آتا؛ کوئی چیز اس وقت بگاڑی جاتی ہے جب اس سے بہتر سامان جمع ہو جائے۔[33]

خلاصۂ بحث:

آغاز میں نظم کے معنی و مفہوم کو واضح کیا گیا ہے کہ ؛ نظم کے لغوی معنی ہیں "کسی چیز کو باہم ملانا، پڑونا، ترتیب دینا یا باہم منسلک کرنا وغیرہ۔اس حوالے سے علماء لغت کے مختلف اقوال کو بیان کیا گیا ہے۔جبکہ نظم کی اصطلاحی تعریف ہے۔"مرتب معانی اور متناسب دلالت والے کلموں اور جملوں کو عقلی تقاضوں کے مطابق جوڑنا۔کہا گیا ہے کہ مرتب اور معتبر الفاظ جن کے معانی عقلی تقاضوں کے مطابق سمجھے جاتے ہیں ان کو جوڑنا"۔مولانا سندھیؒ سورتوں کی تفسیر میں نظم سور کو ایک خاص اہمیت دیتے ہیں اور اسی کے تحت سورتوں کو آپس میں جوڑتے ہیں۔جس کی مثالیں اوپر بیان کی گئیں۔

کتابیات

- القرآن الکریم

31 ایضا، ج۲، ص:۵۳۰

32 ایضا، ج۱، ص:۶۶۸

33 المقام المحمود، ج۲، ص:۶۲۳

- ابن منظور، جمال الدین، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار المعارف، قاہرہ، ج٦، ص: ۴۴٦۹
- البقاعی، ابراہیم بن عمر بن حسن، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، دار الکتاب الاسلامی، قاہرہ، ج۱، ص: ٦
- بازمول، محمد بن عمر بن سالم، علم المناسبات فی السور والآیات، المکتبۃ المکیۃ، مکہ مکرمہ، ص: ۲۷
- زمخشری، محمود بن عمر، اساس البلاغہ، دار صادر، بیروت، ص: ٦۴۱
- جرجانی، علی بن محمد بن علی، کتاب التعریفات، دار الدیان لتراث، قاہرہ، ص: ۳۱۰
- سندھی، عبید اللہ، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، طبع ۲۰۰۲ء، ص: ۸٦
- سندھی، عبید اللہ، مولانا، المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود، سندھ ساگر عبید اللہ فکری فورم، کراچی، طبع: ۲۰۲۵، ج۲، ص: ۴۴۹
- فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب: القاموس المحیط، دار الحدیث، قاہرہ، ص: ۱٦۲۴
- فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، تحقیق عبد الحمید ھنداوی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج۴، ص: ۲۳۸